توحید اور خدا پرستی کا یہی زندہ جاوید کلمہ ہماری نمازوں کا سرنامہ بنا۔

حضرت یعقوبؑ نے مرض الموت میں توحید اور اسی ملت ابرہیمی پر قائم رہنے کی وصیت کی تھی۔ یہاں تک کہ حضرت مسیحؑ بھی دنیا میں توحید ہی کی دعوت دینے کے لیے تشریف لائے تھے مگر ان کے پیروؤں نے انہی کو رب اور الٰہ بنا لیا۔

گزشتہ تمام دینی نوشتوں اور ربانی صحیفوں سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے، یہ الگ بات ہے کہ ان کے متبعین نے ان کی اس تعلیم کو فراموش کر دیا، ہندوستان کے رشیوں اور منیوں کے یہاں بھی توحید کی تعلیم و دعوت کی صراحت ملتی ہے، گوتم بدھ کے ماننے والوں نے گوان کی خاک اور یادگاروں پر معبد تعمیر کر ڈالے ہیں اور اب اس مذہب کی اشاعت کا ذریعہ ہی یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ اس کے مجسموں سے زمین کا کوئی گوشہ خالی نہ رہے اور یہ واقعہ ہے کہ دنیا میں کسی معبود کے بھی اتنے مجسمے نہیں بنائے گئے جتنے گوتم بدھ کے بنائے گئے ہیں حالانکہ ان کی آخری وصیت جو ہم تک پہنچی ہے یہ ہے:۔

> ایسا نہ کرنا کہ میری نعش کی راکھ کی پوجا شروع کر دو، اگر تم نے ایسا کیا تو یقین کرو کہ نجات کی راہ تم پر بند ہو جائے گی"

خود قرآن جو سرتاپا توحید کی تعلیم و دعوت ہے اور جس کے بارہ میں مشہور مورخ گبن کی یہ شہادت موجود ہے کہ:۔

> "محمدؐ کا اعتقاد گمان اور شبہ سے پاک تھا اور قرآن خدا کی توحید کی ایک عالی شان گواہی ہے، نبی مکی نے بتوں کی اور انسانوں کی، ثوابت اور سیاروں کی پرستش کو اس عقلی اصول پر باطل کر دیا کہ جو طلوع ہوتا ہے وہ غروب ہوتا ہے اور جو پیدا ہوتا ہے وہ مرتا ہے اور جو چیز بگڑ سکتی ہے وہ ضرور فنا ہو کر رہے گی، خلاق عالم کی پرستش اس کی عاقلانہ محبت نے اس اقرار کے ساتھ کہ وہ غیر متناہی اور قدیم ہے، صورت اور مکان سے منزہ ہے، نہ کوئی اس کا بیٹا ہے اور نہ مشابہ، ہمارے چھپے سے چھپے خیالات پر مطلع، اپنی ہی ذات سے واجب الوجود اور اپنی ہی ذات سے علم اور نیکی میں کامل"

(بحوالہ سورۂ اخلاص مولانا فراہیؒ ص ۲۳)

مگر قرآن کے ماننے والوں کا توحید کے معاملہ میں جو حال ہو گیا اس کی مولانا حالی سے

بڑھ کر کون ترجمانی کرسکتا ہے۔

مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں　　پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں
نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں　　اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے

مآخذ و مراجع

۱۔ قرآن مجید

۲۔ العقائد الی عیون العقاد	المعلم عبدالحمید الفراہی	دائرہ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاح سرائمیر
۳۔ اسالیب القرآن	"	"
۴۔ تفسیر سورۂ ذاریات	"	"
۵۔ تفسیر سورۂ اخلاص	"	"
۶۔ تفسیر سورۂ فاتحہ و آیت بسم اللہ	"	"
۷۔ علم الکلام حصہ اول	علامہ شبلیؒ	معارف پریس اعظم گڑھ
۸۔ "	"	"
۹۔ سیرت النبی جلد چہارم	مولانا سید سلیمان ندوی	"
۱۰۔ ترجمان القرآن	مولانا ابوالکلام آزاد	مدینہ برقی پریس بجنور
۱۱۔ حقیقت شرک	مولانا امین احسن اصلاحی	دائرہ حمیدیہ، قرول باغ دہلی
۱۲۔ حقیقت توحید	"	مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند دہلی
۱۳۔ تدبر قرآن جلد دوم	مولانا امین احسن اصلاحی	لاہور
۱۴۔ مسدس حالی	خواجہ الطاف حسین حالی	

مشترکہ خاندانی نظام اور اسلام
(۲)

مولانا سلطان احمد اصلاحی

بیوی کا حق سکنیٰ

اسلام کا پسندیدہ طرز معاشرت کیا ہے، خاندان کی یونٹ کن افراد پر مشتمل ہونی چاہئے اور کب خاندان کے فرد کو الگ ہوکر اپنا علیحدہ گھر بسا لینا چاہئے، اسلام میں بیوی کے حق سکنیٰ، یعنی الگ مکان کے حق نے اس مسئلہ کو بالکل صاف کر دیا ہے۔ شادی کے بعد شوہر پر بیوی کی جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، ان میں ایک ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اسے اپنے اور اپنی بیوی کے متعلقین سے الگ بالکل علیحدہ مکان فراہم کرے۔ جیسا کہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب 'کنز الدقائق' میں ہے:

والسکنیٰ فی بیت خال عن اھلہ واھلہا[1]	اور (شوہر پر بیوی کا ایک حق) سکنیٰ یعنی مکان ہے، جس میں شوہر اور بیوی دونوں کے متعلقین میں سے کوئی نہ ہو۔

جس کی تفصیل ہدایہ میں اس طرح کی گئی ہے:-

وعلی الزوج ان یسکنہا فی دار مفردۃ لیس فیہا احد من اھلہ الا ان تختار ذلک لان السکنیٰ من کفایتہا فیجب لہا کالنفقۃ[2]	اور شوہر پر واجب ہے کہ وہ بیوی کے لیے رہائش فراہم کرے، بالکل الگ گھر میں جس میں اس کے متعلقین میں سے کوئی دوسرا نہ ہو سوائے اس کے کہ وہ خود ایسا پسند کرے۔ اس لیے کہ رہائش (سکنیٰ) اس کا بنیادی

---

[1] کنز الدقائق: ۱۵۳/۱۔ کتب خانہ رشیدیہ دہلی

[2] ہدایہ: ۴۲۱/۲۔ رشیدیہ دہلی۔

حق ہے تو وہ اس کے لیے واجب ہوگا
جیسا کہ نفقہ (واجب ہے)

معلوم ہوا کہ شادی کے بعد الگ مکان بیوی کا بنیادی حق ہے جس میں اس کی مرضی کے بغیر شوہر کسی دوسرے کو ساجھی نہیں کرسکتا۔ مشترک مکان مختلف پہلوؤں سے بیوی کے لیے پریشانی اور زحمت کا موجب ہوتا ہے، جس سے اس کا بچایا جانا ضروری ہے۔ سوائے اس کے کہ وہ بعض مصالح اور گھر کے حالات کے تحت بطور خود اپنے اس حق کو کم کرنے پر رضامند ہو۔ چنانچہ آگے ہے:

واذا وجب مقالیس له ان لیشرك غیرها فیه لانها تتضرربه فانها لاتامن علیٰ مناعها ویمنعها عن المعاشرة مع زوجها ومن الاستمتاع الا ان تختار ذلك لانها رضیت بانتقاص حقها[1]	اور جب رہائش (بیوی کے بنیادی) حق کے طور پر واجب ہے تو شوہر کو اختیار نہیں کہ وہ کسی دوسرے کو اس میں ساجھی کرے اس لیے کہ اس کو اس سے تکلیف اور نقصان ہوگا، کیونکہ اس کو اپنے مال و اسباب کے سلسلے میں بے فکری نہیں رہے گی۔ اور اسے اپنے شوہر کے ساتھ بے تکلف رہنے اور خاص تعلق قائم کرنے میں رکاوٹ ہوگی۔ سوائے اس کے کہ وہ خود اسے پسند کرے اس لیے کہ وہ خود اپنے حق کو کم کرنے پر راضی ہے۔

یہاں تک کہ شوہر ازروئے قانون دوسری بیوی سے اپنے لڑکے کو اس کے ساتھ ایک مکان میں نہیں رکھ سکتا:

وان کان له ولد من غیرها فلیس له ان یسکنه معها لما بینا[2]	اور اگر شوہر کے لڑکا ہو جو دوسری بیوی سے ہو تو اس کو اختیار نہیں ہے کہ وہ اس کو اس کے ساتھ رکھے۔ اس وجہ سے جسے ہم نے بیان کیا (کہ اسے تکلیف اور بے تکلف رہنے میں رکاوٹ ہوگی)

[1] حوالہ سابق
[2] حوالہ مذکور

بیوی کے ساتھ آدمی صرف اپنے کمسن بچے کو رکھ سکتا ہے جسے زن وشو کے تعلقات کی سمجھ نہ ہو[۱]

بیوی کو ملنے والا یہ مکان کیسا ہو تو جس طرح کھانے اور کپڑے کے سلسلے میں امیر و غریب کے درمیان فرق ہوتا ہے، مکان کے سلسلے میں بھی یہ فرق اسی طرح ملحوظ رہے گا۔ البتہ اگر شوہر اور بیوی میں سے ایک غریب اور ایک امیر ہو تو کھانے کپڑے ہی کی طرح بیچ کی حالت کا اعتبار ہوگا۔ شوہر اپنے حالات کے لحاظ سے اس کے لیے مکان فراہم کرے۔ باقی اس پر قرض ہوگا تا آنکہ اسے کشادگی نصیب ہو جائے[۲]

فقہ کا ایک جزئیہ ہے جس سے مشترکہ خاندانی نظام کے حق میں استدلال کیا جا سکتا ہے اور وہ یہ کہ اگر شوہر بڑے مکان کے ایک حصہ کو بیوی کے حوالہ کر دے جس کا تالا کنجی اس کے پاس ہو تو اس سے اس کا حق سکنیٰ ادا ہو جائے گا۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے:

ولو اسكنها في بيت من الدار	اور اگر شوہر بڑے گھر کے ایک الگ حصے
مفرد وله غلق كفاها لان	میں اسے جگہ دے دے جس کا تالا کنجی الگ
المقصود قد حصل[۳]	ہو تو یہ اس کے لیے کافی ہوگا۔ اس لیے کہ (رہائش کا) مقصد حاصل ہو گیا۔

جس کے پیش نظر ہمارے یہاں مسائل کی معروف و متداول کتاب 'بہشتی زیور' میں رہنے کے لیے گھر ملنے کے بیان میں، پہلے مسئلہ کی تفصیل کے بعد کہ:

> "مرد کے ذمہ یہ بھی واجب ہے کہ بی بی کے رہنے کے لیے کوئی ایسی جگہ دیوے جس میں شوہر کا کوئی رشتہ دار نہ رہتا ہو بالکل خالی ہو تاکہ میاں بیوی بالکل بے تکلفی سے رہ سکیں البتہ اگر عورت خود سب کے ساتھ رہنا گوارہ کرے تو ساجھے کے گھر میں بھی رکھنا درست ہے[۴]"

دوسرے مسئلہ کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے:

> "گھر میں ایک جگہ عورت کو الگ کر دے کہ وہ اپنا مال و اسباب حفاظت سے رکھے اور خود اس میں رہے سہے اور اس کی قفل کنجی اپنے پاس رکھے

---

[۱] الدر المختار علی رد المختار: ۲/۹۱۲ [۲] رد المحتار مع الدر المختار، حوالہ سابق

[۳] ہدایہ، حوالہ سابق [۴] بہشتی زیور: ۴/۲۳۷، ربانی بک ڈپو لال کنواں دہلی۔

کسی اور کو اس میں داخل نہ ہونے دے فقط عورت ہی کے قبضہ میں رہے
تو بس حق ادا ہو گیا۔ عورت کو اس سے زیادہ کا دعویٰ نہیں ہو سکتا۔ اور
یہ نہیں کہہ سکتی کہ پورا گھر میرے لیے الگ کر دو۔[1]"

لیکن یہ بات جس عموم سے کہی گئی ہے اس سے مسئلہ کی صحیح تصویر واضح نہیں ہوتی۔ اس کی مزید تفصیل کی ضرورت ہے۔ صاحب درمختار نے بڑے گھر کے ایک حصہ کی تالا کنجی ملنے کی صورت میں، گھر سے متعلق دوسری سہولیات کا اضافہ کیا ہے:

وبیت منفرد من دار لہ	اور (بڑے گھر کا (چھوٹا) الگ مکان جس
غلق ومرافق ومفادہ لزوم	کی تالا کنجی اور دوسری سہولیات (الگ)
کنیف ومطبخ۔[2]	ہوں۔ اس کا تقاضا ہے کہ پاخانہ اور باورچی خانہ
	اس سے لازمی طور پر ملحق ہو۔

اور آگے وہ فرماتے ہیں کہ فتویٰ بھی اسی کے مطابق دینا چاہئیے:

وینبغی الافتاء بہ[3]	اور چاہئیے کہ فتویٰ اسی کے مطابق دیا جائے۔

جس کی تشریح کرتے ہوئے علامہ ابن عابدین شامی کہتے ہیں:

(ومفادہ لزوم کنیف ومطبخ)	(اور اس کا تقاضا کہ پاخانہ اور باورچی خانہ
ای بیت الخلاء وموضع الطبخ	لازماً ملحق ہو) یعنی بیت الخلاء اور کھانا پکانے
بان یکون داخل البیت اوفی	کی جگہ اس طور پر کہ وہ مکان (بیت) یا (بڑے)
الدار لا یشارکہا فیہما احد	گھر (دار) کے اندر ہوں۔ جن میں گھر (دار)
من اھل الدار[4]	کے کسی دوسرے آدمی کا ساجھا نہ ہو۔

مکان کے سلسلے کا یہ اعلیٰ معیار ہے جسے مال دار اور صاحب حیثیت آدمی ہی نبھا سکتا ہے، سماج کے غریب اور کمزور طبقات کے لیے گنجائش ہے کہ وہ بڑے مکان کے الگ الگ حصوں میں بعض مشترکہ سہولیات کے ساتھ گزر بسر کر سکیں۔ جیسا کہ علامہ موصوف نے آگے کہا ہے:

قلت وینبغی ان یکون ھذا	میں کہتا ہوں اور چاہئیے کہ یہ چیز ان غریب
فی غیر الفقراء الذین یسکنون	اور کمزور لوگوں کے علاوہ کے لیے ہو جو

---

[1] حوالہ مذکور [2] الدر المختار علی رد المحتار: ۲/۹۱۲۔ [3] حوالہ السابق [4] حوالہ مذکور

فی الربوع والاحواش بحیث	جھونپڑوں اور معمولی مکانوں میں رہتے ہیں۔اس
یکون لکل واحد بیت یحضہ	طور پر کہ ان میں سے ہر ایک کے لیے مکان
ولبعض المرافق مشترکۃ	تو الگ ہوتا ہے جو اس کے لیے خاص ہوتا
کالخلاء والتنور وبئر الماء [1]	ہے۔البتہ (گھر کی) بعض سہولتیں مشترک
	ہوتی ہیں۔ جیسے کہ بیت الخلاء، روٹی پکانے
	کا چولہا اور پانی کا کنواں۔

جس سے یہ بات خود بخود نکلتی ہے کہ اگر آدمی صاحب حیثیت ہو اور اس کے حالات اجازت دیتے ہوں تو گھر کی متعلقہ جملہ سہولیات کے ساتھ اسے بیوی کے لیے علیحدہ مکان فراہم کرنا چاہئے یہ نہیں کہ آدمی لاکھوں کی حیثیت کا مالک ہو اور محض جاہلانہ مشترکہ خاندانی نظام کی رعایت میں وہ الگ مکان فراہم کرنے کی قوت اور استطاعت کے باوجود محض سماج اور ماحول کے دباؤ سے بیوی کو پھیلے ہوئے گھر کے مصائب میں گرفتار رکھے۔

اس کے علاوہ بیوی کو مکان کے ایک حصہ کے تالا کنجی مل جانے کی صورت میں اس کے حق سکنیٰ کی کفایت کے جزئیہ میں تشنگی کے دوسرے پہلو بھی ہیں، جو بڑی اہمیت کے حامل ہیں اور انھیں کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

قرآن میں شوہر کے طرف سے بیوی کو مکان فراہم کرنے کا حکم اپنی حیثیت اور استطاعت (من وجدکم) کے علاوہ دو شرطوں کے ساتھ جڑا ہوا ہے یعنی کہ اسے تنگی (ضیق) اور تکلیف اور نقصان (ضرر) سے بچایا جائے۔

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ	اور ان کو (بیویوں کو) رکھو اس طرح جیسے
سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا	کہ تم رہتے ہو اپنی حیثیت کے مطابق اور
تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ	تم انھیں نقصان میں مبتلا نہ کرو تاکہ ان پر تنگی
(طلاق : ۶)	کا راستہ نکالو۔

بڑے مکان کے ایک حصہ ملنے کی کفایت کے جزئیہ میں اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔اسی طرح کمزور اور نادار طبقات کے سلسلے میں گھر کی بعض سہولیات کے مشترک ہونے کے مشامی کا جزئیہ

---

[1] حوالہ سابق

علی الاطلاق نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے جو آگے بڑے مکان (دار) کے ایک حصہ (بیت) کی کفایت کے مسئلہ میں اس شرط کا اضافہ ہے کہ یہ بات اس صورت کے لیے ہوگی جب کہ گھر کے اندر شوہر کے رشتہ داروں میں کوئی ایسا نہ ہو جس سے کہ بیوی کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو:

فان کانت دار فیها بیوت	پس اگر کوئی (بڑا) گھر (دار) ہو اور اس میں
واعطی لها بیتا یغلق ویفتح	(چھوٹے چھوٹے) بہت سے گھر (بیت) کرے
لم یکن لها ان تطلب بیتا آخر	جس میں (الگ) تالا کنجی لگائی جا سکتی ہو تو
اذا لم یکن ثمة احد من احماء	اسے اختیار نہیں ہوگا کہ وہ دوسرے گھر (بیت)
الزوج یوذیها [1]	کا مطالبہ کرے۔ بشرطیکہ وہاں شوہر کے رشتہ داروں میں سے کوئی ایسا نہ ہو جس سے اس کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو۔

بڑے گھر کا ایک حصہ بیوی کے لیے اسی وقت کفایت کر سکے گا جبکہ اس سے متعلق حصہ میں شوہر کے متعلقین میں سے کوئی نہ ہو جسے وہ پسند نہ کرتی ہو چنانچہ آگے ہے۔

ابت ان تسکن مع احماء الزوج	بیوی شوہر کے رشتہ داروں کے ساتھ رہنے
وفی الدار بیوت ان فرغ	سے انکار کر دے اور (بڑے) گھر (دار) میں
لها بیتا له غلق علی حدة	مختلف چھوٹے گھر (بیوت) ہوں تو اگر وہ اس
ولیس فیه احد منهم لاتتمکن	کے لیے کوئی گھر خالی کر دیتا ہے جس کا تالا کنجی
من مطالبته بیت آخر [2]	الگ ہو اور اس میں ان میں سے کوئی نہ رہے تو اسے اس سے دوسرے گھر کے مطالبہ کا اختیار نہیں رہے گا۔

اگر بیوی سوکن اور شوہر کے دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ رہنا پسند نہ کرے تو شوہر کے لیے تمام متعلقہ سہولیات کے ساتھ الگ مکان فراہم کرنا ضروری ہوگا۔

ولو اراد ان یسکنها مع ضرتها	اور اگر شوہر چاہے کہ بیوی کو اس کی سوکن
او مع احمائها کامه واخته	یا اپنے رشتہ داروں جیسے اپنی ماں، بہن (دوسری
وبنته فابت فعلیه ان	بیوی سے) اپنی بیٹی کے ساتھ رکھے، پس وہ

---

[1] رد المحتار مع الدر المختار: ۲/۹۱۳ [2] حوالہ سابق

یسکنها فی منزل منفرد لان اباءها دلیل الاذی والضرر[1]	انکار کرے تو اس پر لازم ہوگا کہ اسے الگ مکان میں ٹھہرائے اس لیے کہ (ساتھ رہنے سے) اس کا انکار کرنا (اس کے لیے) تکلیف اور نقصان کی دلیل ہے۔

مزید برآں اس میں ایک دوسرا پہلو بھی ہے اور وہ یہ کہ

ولانه یحتاج الی جماعها ومعاشرتها فی ای وقت یتفق ولا یمکن ذلک مع ثالث[2]	نیز اس لیے کہ اسے اس کے ساتھ خاص تعلق اور بے تکلف رہنے کی ضرورت کسی وقت ہو سکتی ہے۔ اور کسی تیسرے کے ہوتے ہوئے یہ چیز ممکن نہیں ہو سکتی۔

اگر آدمی کے دو بیویاں ہوں تو اپنے رشتہ داروں کے بالمقابل ان میں سے ہر ایک کے لیے الگ الگ مکان فراہم کرنا اور بھی ضروری ہے۔ اور ہر بیوی کو حق ہوگا کہ وہ دوسرے سے بالکل الگ اپنے لیے مکان کا مطالبہ کرے۔

وفرق بین ما اذا جمع بین امرأتین فی دار واسکن کلا فی بیت له غلق علی حدة لکل منها ان تطالب ببیت فی دار علی حدة لانه لا یتوفر علی کل منهما حقها الا اذا کان لها دار علی حدة بخلاف المرأة مع الاحماء فان الضرة فی الضرائر اوفر[3]	اور فرق کیا ہے جبکہ وہ دو عورتوں کو ایک (بڑے) گھر (دار) میں رکھے اور ہر ایک کو ایک مکان میں جگہ دے جس کا تالا کنجی الگ ہو تو ان میں سے ہر ایک کو اختیار ہے کہ وہ گھر کے اندر ایسے مکان کا مطالبہ کرے جس کی یونٹ بالکل الگ ہو۔ اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے حقوق سے پورا استفادہ اسی وقت کر سکتی ہے جب کہ اسے بالکل الگ یونٹ کا مکان حاصل ہو۔ بخلاف اس کے کہ عورت شوہر کے رشتہ داروں کے ساتھ ہو۔ اس لیے کہ سوکنوں کے اندر ایک

---

[1] [2] اور [3] حوالہ سابق

دوسرے سے دوری اور غیریت دوسروں کے
مقابلہ میں زیادہ بڑھی ہوتی ہے۔

گھر کی مختصر یونٹ میں شوہر بیوی اور اپنی ماں دونوں کو ایک ساتھ نہیں رکھ سکتا:

ولیس للزوج ان یسکن امرأته وامه فی بیت واحد ؎۱	شوہر کو اختیار نہیں ہے کہ وہ اپنی بیوی اور ماں کو ایک مکان میں رکھے۔

اس لیے کہ:

لانه یکره ان یجامعها وفی البیت غیرهما ؎۲	اس لیے کہ یہ مکروہ ہے کہ وہ اس سے خاص تعلق قائم کرے جبکہ گھر میں ان کے علاوہ کوئی دوسرا بھی ہو۔

البتہ بڑے گھر کی دو الگ الگ یونٹوں میں رکھے جانے پر بیوی کو اس کے علاوہ کا اختیار نہ ہوگا۔ جیسا کہ آگے ہے:

وان اسکن الام فی بیت دارہ والمرأة فی بیت آخر فلیس لها غیر ذلك ؎۳	البتہ اگر وہ ماں کو اپنے بڑے گھر کے ایک الگ حصہ میں اور بیوی کو دوسرے حصہ میں رکھے تو اسے اس کے علاوہ کا اختیار نہ ہوگا۔

لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ چیز متوسط گھرانے کی عورت کے لیے ہے، بڑے اور شریف گھرانے کی عورت اس سے آگے کشادہ اور مستقل الگ مکان کا مطالبہ کرسکتی ہے۔ جیسا کہ دوسرے فقہاء نے کہا ہے:

وذکر الخصاف ان لها ان تقول لا اسکن مع والدیك واقرباءك فی الدار فافرد لی دارا قال صاحب الملتقط هذه الروایة	اور خصاف نے کہا کہ اسے اختیار ہے کہ وہ کہے کہ میں تمہارے ماں باپ اور تمہارے رشتہ داروں کے ساتھ ایک گھر میں نہیں رہ سکتی تو تم میرے لیے (بڑا) گھر (دار) الگ کرو۔ صاحب ملتقط نے کہا کہ یہ

؎۱ تا ؎۳ حوالہ مذکور

محمولۃ علی الموسرۃ الشریفۃ [۱]	روایت صاحب حیثیت اور خاندانی شرافت والی عورت پر محمول کی جائے گی۔

اول الذکر روایت کو متوسط گھرانے کی عورت کے لیے خاص رکھا جائے گا علامہ شامی فرماتے ہیں:

وما ذکرنا قبلہ ان افراد بیت فی الدار کاف انما ھو فی المرأۃ الوسط اعتبارا فی السکنی بالمعروف [۲]	اور وہ جو ہم نے اس سے پہلے ذکر کیا کہ بڑے گھر (دار) کا ایک حصہ (بیت) الگ کردینا کافی ہوگا تو یہ متوسط درجہ کی عورت کے لیے ہے اس لیے کہ (کھانے کپڑے کی طرح) مکان کے سلسلے میں بھی معروف کا اعتبار کیا جائے گا۔ (جبکہ عام طور پر اوسط ہی کا اعتبار ہوتا ہے)۔

خلاصہ یہ کہ:۔

ان ذلک یختلف باختلاف الناس ففی الشریفۃ ذات الیسار لابد من افرادھا فی دار ومتوسطۃ الحال یکفیھا بیت واحد من دار ومفھومہ ان من کانت من ذوات الاعتبار یکفیھا بیت ولو مع احمائھا وضرتھا کاکثر الاعراب واھل القری وفقراء المدن الذین یسکنون فی الاحواش والربوع وھذا التفصیل ھو الموافق لما مر من ان السکن	صحیح بات یہ ہے کہ یہ چیز مختلف لوگوں کے اعتبار سے مختلف رہے گی۔ پس شریف خاندان کی عورت جو صاحب حیثیت ہو اس کے لیے ضروری ہوگا۔ بالکل الگ بڑا مکان (دار) فراہم کیا جائے۔ جب کہ متوسط حالت والی کے لیے بڑے گھر کا ایک (الگ) حصہ کافی ہوگا۔ اسی سے یہ بات نکلتی ہے کہ غریب اور کمتر حیثیت کی عورتوں کے لیے بس ایک گھر کافی ہوگا جس میں شوہر کے رشتہ دار اور اس کی سوکنیں بھی رہ سکتی ہیں۔ جیسا کہ اکثر دیہاتی، بادیہ نشین اور شہروں کے غریب اور پسماندہ طبقات کا معاملہ ہے جو جھونپڑوں اور معمولی مکانوں میں رہتے ہیں۔

یعتبر بقدر حالہا ولقولہ تعالیٰ	یہی تفصیل اس سے ہم آہنگ ہے جو بات
اسکنوھن من حیث سکنتم	اس سے پہلے گزری کہ مکان کا اعتبار میاں
من وجدکم وینبغی	بیوی کے حالات کے مطابق ہوگا۔ نیز اللہ تعالیٰ
اعتمادہ فی زماننا ھٰذہ فقدمر	کے اس قول کی وجہ سے کہ "انھیں رکھو جیسے
ان الطعام والکسوۃ یختلفان	کہ تم رہتے ہو اپنی حیثیت کے مطابق ....
باختلاف الزمان والمکان[1]	ہمارے اس زمانہ میں اسی پر اعتماد کرنا چاہیے
	اس لیے کہ گزر چکا ہے کہ کھانے اور کپڑے
	کا معاملہ زمانہ اور حالات کے لحاظ سے بدلتا
	رہتا ہے۔

آگے مصنف اس سلسلے میں اپنے علاقہ کے احوال کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں جس سے آج کے حالات میں بیوی کے حق 'سکنیٰ' کے سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے۔ اس کے الفاظ ہیں:۔

واھل بلادنا الشامیۃ لا	اور ہمارے شام کے علاقہ کے لوگ اس
یسکنون فی بیت من دار	بڑے گھر (دار) کے ایک حصہ (بیت)
مشتملۃ علی اجانب وھٰذا	میں نہیں رہتے ہیں جس میں کہ دوسرے اجنبی
فی اوساطھم فضلا عن	لوگ بھی رہتے ہوں۔ یہ معاملہ ان کے متوسط
اشرافھم الا ان تکون	طبقات کا ہے، شرفاء کی تو بات ہی الگ
دارا موروثۃ بین اخوۃ مثلا	ہے۔ سوائے اس کے کہ کئی بھائیوں کے
فیسکن کل منھم فی جھۃ	درمیان موروثی گھر (دار) ہو اور مثال کے
منھا مع الاشتراک فی	طور پر ان میں سے ہر ایک اس کے ایک حصہ
مرافقھا فاذا تضررت زوجۃ	میں سکونت پذیر ہو جبکہ اس کی متعلقہ سہولیات
احدھم من احمائھا	مشترک ہوں۔ تو جب ان میں سے کسی کی بیوی
او ضرتھا او اراد زوجھا	شوہر کے رشتہ داروں یا اپنی سوکنوں سے

[1] حوالہ سابق /۹۱۳، ۹۱۴

اسكانها في بيت منفرد من دار لجماعة اجانب وفي البيت مطبخ وخلاء يعدون ذلك من اعظم العار عليهم فينبغي الافتاء بلزوم دار من بابها نعم ينبغي ان لا يلزمه اسكانها في دار واسعة كدار ابيها او كداره التي هو ساكن فيها لان كثيرا من الاوساط والاشراف يسكنون الدار الصغيرة وهذا موافق لما قدمناه عن الملتقط من قوله اعتبارا في السكنى بالمعروف اذ لا شك ان المعروف يختلف باختلاف الزمان والمكان فعلى المفتي ان ينظر الى حال اهل زمانه وبلده اذ بدون ذلك لا تحصل المعاشرة بالمعروف وقد قال تعالى ولا تضاروهن لتضيقوا عليهن [1]

تکلیف محسوس کرتی ہے اور اس کا شوہر کچھ اجنبی لوگوں کے بڑے مکان (دار) کے ایک الگ حصہ میں رکھنے کا ارادہ کرتا ہے جبکہ اس الگ حصہ میں باورچی خانہ اور بیت الخلاء بھی ہوتا ہے تو بھی وہ اسے اپنے اوپر بہت بڑا عار شمار کرتے ہیں۔ تو چاہیے کہ اس کے لیے اس مکان کا فتویٰ دیا جائے جو لازمی طور پر اس کے لوگوں کے درمیان ہو۔ ہاں شوہر کے لیے یہ نہیں ضروری ہونا چاہیے کہ وہ اسے اتنے ہی بڑے اور کشادہ مکان میں رکھے جیسا کہ اس کے آبائی مکان تھا یا جیسے کہ شوہر کا وہ بڑا مکان جس میں کہ وہ (اب تک) رہ رہا تھا۔ اس لیے کہ بہت سے متوسط طبقے کے لوگ بلکہ شرفاء بھی چھوٹے مکانوں میں رہتے ہیں۔ اور یہ اس کے مطابق ہے جسے ہم نے اس سے پہلے ملتقط سے ان کا قول نقل کیا کہ سکنیٰ (رہائش) کے سلسلے میں معروف کا اعتبار کیا جائے گا۔ اس لیے کہ کوئی شخص نہیں کہ معروف زمانہ اور مقام کے لحاظ سے بدلتا رہتا ہے۔ پس مفتی کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے زمانہ اور اپنے علاقہ کے احوال پر نظر رکھے اس لیے کہ اس کے بغیر معروف کے مطابق معاشرت کا مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ

---

[1] حوالہ مذکور ۹۱۴/۱

نے فرمایا ہے کہ تم ان کو (بیویوں کو)
نقصان میں مبتلا نہ کرو تاکہ ان کے اوپر
تنگی کا راستہ نکالو۔ ولا تضاروھن
لتضیقوا علیھن ....

اس تفصیل سے اسلام کے مطلوبہ خاندانی نظام کا نقشہ بالکل نکھر کر سامنے آجاتا ہے۔ اور وہ یہ کہ شادی کے بعد الگ مکان بیوی کا بنیادی حق ہے۔ خاندان کی ایک یونٹ شوہر، بیوی اور نابالغ اولاد پر مشتمل ہونی چاہئیں۔ رہی یہ بات کہ بیوی کو ملنے والا الگ مکان کیسا اور کس نوعیت کا ہو تو اس کا تعلق میاں بیوی کے حالات اور خاندان کی مجموعی صورت حال سے ہے۔ آدمی کے حالات اجازت دیں اور کوئی رکاوٹ نہ ہو تو اپنی حیثیت کے مطابق کھانے کپڑے کی طرح اس کے لیے بہتر سے بہتر الگ مکان فراہم کرنا چاہیئے۔ جس کا کسی حیثیت سے دوسرے مکان سے کوئی تعلق نہ ہو۔ اس کے لیے حالات سازگار نہ ہوں تو بڑے مکان کی الگ یونٹ بھی کفایت کر سکتی ہے۔ بشرطیکہ بیوی کو شوہر کے رشتہ داروں میں سے کسی کی طرف تکلیف اور اذیت کا اندیشہ نہ ہو۔ مجبور کن حالات میں الگ مکان کے ساتھ بعض مشترکہ سہولیات کی صورت میں بھی گزر بسر کیا جا سکتا ہے۔ مخصوص حالات میں بعض مصالح کے تحت بیوی شوہر کے رشتہ داروں کے ساتھ پھیلے ہوئے گھر میں رہنے کے لیے آمادہ ہو تو اس کی بھی گنجائش ہے۔ اصل بات وہی ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا کہ مکان آدمی کی حیثیت کے مطابق (من وجدکم) ہونا چاہیئے۔ اور ایسا ہو کہ بیوی تنگی (ضیق) اور نقصان (ضرر) کے بغیر آسانی کے ساتھ اس میں رہ سکے۔

اَسْکِنُوْھُنَّ مِنْ حَیْثُ سَکَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِکُمْ وَلَا تُضَآرُّوْھُنَّ لِتُضَیِّقُوْا عَلَیْھِنَّ (طلاق: ٦)	اور تم انھیں رہائش دو جیسے کہ تم رہتے ہو اپنی حیثیت کے مطابق اور انھیں نقصان میں مبتلا نہ کرو تاکہ ان کے اوپر تنگی کا راستہ نکالو۔

مکان کی ایسی صورت جس میں بیوی غیر معمولی طور پر تنگی کا شکار ہو اسے اس کے نکالنے کے مرادف ہے۔ اسی لیے آیت کی تفسیر میں بجا طور پر کہا گیا ہے۔

(لتضیقوا علیھن) فی المسکن (تاکہ تم پر تنگی کا راستہ نکالو) مکان کے

ببعض الاسباب من انزال	سلسلے میں کسی بھی سبب سے کہ اس میں ان
من لا یوافقھن اویشغل	لوگوں کو لا کر رکھ دو جن سے ان کی سازگاری
مکانھن اوغیر ذلک حتی	نہ ہو یا یہ کہ وہ ان کے مکان کو پوری طرح
تضطروھم الی الخروج[1]	چھین لیں یا اس کے علاوہ کوئی اور وجہ
	یہاں تک کہ تم انھیں (گھر سے) نکلنے کے
	لیے مجبور کر دو۔

جس کا سب سے بہتر اور محفوظ طریقہ یہی ہے کہ بیوی کو تمام متعلقہ سہولیات کے ساتھ بالکل الگ مکان فراہم کیا جائے۔ مکان چاہے جس معیار کا ہو لیکن اس کی یونٹ بالکل الگ اور خود کفیل ہونی چاہیئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ سے بھی، جیسا کہ اوپر تفصیل گزری' اسی کی تصدیق ہوتی ہے۔ آپؐ نے اپنی تمام بیویوں کے لیے الگ مکان فراہم کیے۔ جن کے مالی معاملات بھی ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ تھے۔ جبکہ یہ پیغمبرؐ کی بیویاں تھیں جن کی طہارت باطنی اور اخلاق وعمل کی پاکیزگی کی شہادت خود قرآن فراہم کرتا ہے۔

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ	اللہ تو بس چاہتا ہے کہ تم سے (ظاہری و
عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ	باطنی) ہر طرح کی گندگی کو دور کر دے اے
الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا	اہل بیت اور (اخلاق وعمل ہر لحاظ سے) تم
(احزاب : ۳۳)	کو پاک سے پاک کر دے۔

آیت کریمہ میں 'اہل بیت' سے مراد خاص طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہیں[2]۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ازواج مطہرات کے لیے الگ مکان فراہم کیے جبکہ تنگی اور نقصان سے محفوظ رہنے کی ان سے بڑھ کر کہیں اور ضمانت نہیں ہو سکتی، تو امت کے دوسرے افراد کی نسبت سے یہ چیز جس درجہ مطلوب ہوگی، ظاہر ہے۔

ایک دوسرے پہلو سے بھی ہر بیوی کے لیے الگ خود کفیل مکان کے پہلو کو تقویت ملتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کو غیر عورتوں کے پاس جانے سے بچنے کی بہت زیادہ تاکید کی ہے:۔

---

[1] الکشاف عن حقائق التنزیل ۴/۱۲۲۔ دار المعرفۃ، بیروت [2] تفسیر الجلالین ۵۵۲/۔ طبع مذکور

ایاکم والدخول علی النساء — (لوگو) غیر عورتوں کے پاس جانے سے بہت زیادہ پرہیز کرو۔

اس پر ایک شخص نے سوال کیا کہ کیا شوہر کے بھائی باپ اور دوسرے رشتہ داروں (حمو) کا بھی یہی حکم ہے:

فقال رجل یا رسول اللہ ارأیت الحمو؟ — تو ایک شخص نے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا شوہر کے رشتہ داروں کا بھی یہی حکم ہے؟

جس سے خیال ہوتا ہے کہ شاید ہندوستان کی طرح اس وقت عرب میں بھی اس چیز کو کچھ معیوب خیال نہ کیا جاتا تھا۔ تو اس کے جواب میں آپؐ نے فرمایا کہ:۔

الحمو الموت [۱] — شوہر کے رشتہ دار (خاص طور پر ان میں مرد) موت کی طرح بچنے کی چیز ہیں۔

جس کی تشریح کرتے ہوئے صاحب لمعات نے بہت اچھی بات کہی ہے کہ:

والمراد تحذیر المرأۃ منھم کما یحذر من الموت فان الخوف من الاقارب اکثر و الفتنۃ منھم اوقع لتمسکھم من الوصول والخلوۃ من غیر نکیر [۲] — اس سے مراد عورت کو ان سے ڈرانا ہے جیسے کہ موت سے ڈرا جاتا ہے اس لیے کہ رشتہ داروں سے اندیشہ زیادہ ہوتا ہے اور ان کی طرف سے فتنہ کے امکانات بہت بڑھے ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ ان کے لیے اس تک پہنچنے اور تنہائی حاصل کرنے پر پورا قابو ہوتا ہے اور اسے برا بھی نہیں سمجھا جاتا ہے۔

اس کا بھی تقاضا ہے کہ ہر خاندان کو چھوٹا بڑا جیسا بھی ہو خود کفیل الگ مکان فراہم ہونا چاہیئے۔ بڑے گھر کا ایک حصہ جس کی بہت سی سہولیات مشترک ہوں، اس کے اندر اس حدیث رسولؐ کی معنویت باقی نہیں رہے گی۔

---

[۱] متفق علیہ بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح ۔ کتاب النکاح باب النظر الی المخطوبۃ

[۲] لمعات شرح مشکوٰۃ (عربی) بحوالہ حاشیہ مشکوٰۃ ۲۶۸/

اس کے علاوہ بیوی کو بڑا خود کفیل مکان ملنے کے سلسلے میں، جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے، صرف مال داری اور خاندانی پس منظر (FAMILY BACK GROUND) کو ہی معیار نہ ہونا چاہیے۔ بسا اوقات کمتر سماجی حیثیت کی عورت بھی تعلیم و تربیت سے آراستہ اور خاص ماحول میں پروان چڑھ کر، مستقل الگ مکان کے صحیح اسلامی ذوق میں پختہ تر ہو سکتی ہے۔ اس صورت میں اگر شوہر کی طرف سے کوئی دوسری مجبوری اور رکاوٹ نہ ہو تو محض اس کے سابقہ خاندانی پس منظر کی بنیاد پر اسے اپنے اس بنیادی حق سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ جبکہ اسلام کا زیادہ تر رجحان اس کے حق میں، اور جیسا کہ تفصیلات گزریں، وہ اس کے لیے زیادہ سے زیادہ محرکات فراہم کرتا ہے۔

پردے کے احکامات سے استدلال

اسلام جس طرز معاشرت کا علمبردار ہے، عورتوں کا پردہ اس کا اہم ترین جزء ہے۔ جس کے احکام قرآن نے بڑی تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ اس کے بین السطور ہمیں وہ بہت سی باتیں ملتی ہیں جو اس بات کا صاف پتہ دیتی ہیں کہ سماج کے اندر ہر خاندان کا مکان الگ اور اس کی یونٹ بالکل علٰحدہ ہونی چاہیے۔

سلام کے ذریعہ گھر میں داخلہ ورنہ واپسی

سورۂ نور میں پردہ کے احکامات کی تفصیل کرتے ہوئے قرآن نے سب سے پہلے جو بات کہی ہے وہ یہ کہ آدمی کسی دوسرے کے گھر میں انسیت پیدا اور سلام کیے بغیر داخل نہ ہو۔

يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ لَا تَدْخُلُوْا	اے لوگو جو ایمان لائے ہو اپنے گھروں
بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى	کے علاوہ دوسرے کسی گھروں میں داخل
تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰۤى	نہ ہو جب تک تم انسیت نہ پیدا کر لو اور
اَهْلِهَا ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ	اس کے لوگوں تک سلام نہ پہنچا لو، یہ تمہارے
لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ○	لیے زیادہ بہتر ہے شاید کہ تم یاد دہانی
(نور: ۲۷)	حاصل کرو۔

اس کے بعد بھی آدمی اسی وقت داخل ہو جبکہ باقاعدہ اجازت مل جائے۔ اگر گھر میں

کوئی نہ ہو یا اجازت نہ ملے تو واپس چلے آنا چاہیے :۔

فان لم تجدوا فیہا احدا	پس اگر تم ان میں کسی کو نہ پاؤ تو ان میں داخل
فلا تدخلوھا حتی یؤذن	نہ ہو یہاں تک کہ تم کو اجازت مل جائے
لکم وان قیل لکم ارجعوا	اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس لوٹ جاؤ
فارجعوا ھو ازکی لکم واللہ	تو واپس ہو جاؤ۔ یہ تمہارے لیے زیادہ
بما تعملون علیم ○	پاکی کا باعث ہے ۔اور اللہ جاننے والا
(آیت: ۲۸)	ہے اسے جو تم کرتے ہو۔

گھر کے اندر کوئی نہ ہو اور مکان خالی ہو یہ بات اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب کہ مکان چھوٹا اور اس کی یونٹ الگ ہو۔ ورنہ ایک پھیلا ہوا خاندان جو سو پچاس افراد پر مشتمل ہو اور جس کے اندر مختلف داداؤں کے بے شمار بیٹوں پوتوں اور ان کے متعلقین کی پوری بستی آباد ہو اسے کوئی آفت ناگہانی ہی خالی کرا سکتی ہے۔

کوئی بھی چیز پردے کے اوٹ سے طلب کی جائے

اس سلسلے میں دوسرے موقعہ پر قرآن نے ایک تاکید یہ کی ہے کہ آدمی کو کسی کے گھر سے کوئی چیز لینی ہو تو اس کے اندر گھسے بغیر اسے خواتین سے پردہ کے اوٹ سے طلب کرنا چاہیے ۔ازواج مطہرات جو امت کی مائیں ہیں ان سے کوئی چیز لینے کا طریقہ یہ بتایا گیا۔

واذا سالتموھن متاعا فاسئلوھن	اور جب تم ان سے کوئی چیز مانگو تو ان سے
من وراء حجاب ذلک	پردے کے اوٹ سے مانگو۔ یہ زیادہ پاکی
اطہر لقلوبکم وقلوبہن	کا باعث ہے تمہارے دلوں کے لیے اور
(احزاب: ۵۳)	ان کے دلوں کے لیے بھی۔

پردے کے اوٹ سے سامان طلب کرنے میں پردے کا فائدہ اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے، جبکہ مکان چھوٹا اور اس کی یونٹ الگ ہو ورنہ قلعہ نما مکان جس کا صدر دروازہ تو ایک ہو لیکن اندر ایک گھر کے نام پر پورا محلہ آباد ہو، اس میں اگر آدمی اندر گھس کر کسی خاتون کے کمرے کے پردے کے اوٹ سے کوئی چیز طلب کرے تو پردے کے حکم کی کوئی معنویت باقی نہیں رہے گی۔ازواج مطہرات کے حوالے سے یہ تاکیدی حکم پوری امت کے لیے ہے اور

امت کی خواتین کو اس کا فائدہ الگ مکان کی صورت میں ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

گھر میں بے تکلف آمد و رفت رکھنے والوں کا محدود دائرہ

اسلام نے اصول فطرت کے عین اقتضاء سے پردے کے حکم میں تخصیص رکھی ہے۔ عورت کے قریب ترین اعزہ جن سے ہمیشہ کے لیے رشتۂ ازدواج حرام ہے، ان کے سلسلے میں قرآن نے اجازت دی ہے کہ وہ گھر میں بے تکلف آجا سکتے ہیں اور وہ ان کے سامنے اپنی زینت و آرائش کو ظاہر کر سکتی ہے۔ باپ، بیٹے، بھائی، بھتیجوں اور بھانجوں اور اسی طرح کے قریبی رشتہ داروں سے حجاب نہیں ہے۔ اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے قرآن نے کہا ہے۔

وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا	اور وہ اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اپنے
لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ	شوہروں کے اور اپنے باپوں کے یا اپنے
آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ	شوہروں کے باپوں کے یا اپنے بیٹوں کے
أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ	یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے یا اپنے بھائیوں
أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ	کے یا اپنے بھتیجوں سے یا اپنے بھانجوں سے
أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ	یا اپنی (بے تکلف کی) عورتوں سے یا ان (غلام
أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولِي	باندیوں) سے جو ان کے ہاتھ کی ملک ہیں یا گھر
الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ	پر لگے رہنے والے ماتحت مردوں سے جنھیں
الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَىٰ عَوْرَاتِ	شہوانی خواہش نہیں ہے، یا ان بچوں سے
النِّسَاءِ (نور: ۳۱)	جنھیں عورتوں کے بھیدوں سے آگاہی نہ ہو۔

دوسرے موقعہ پر ازواج مطہرات کے حوالہ سے بھی امت کی ماؤں اور بہنوں کو اسی کی تلقین کی گئی:

لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِي آبَائِهِنَّ	ان کے لیے کوئی حرج نہیں ہے اپنے
وَلَا أَبْنَائِهِنَّ وَلَا إِخْوَانِهِنَّ	باپوں کے سلسلے میں اور اپنے بیٹوں کے
وَلَا أَبْنَاءِ إِخْوَانِهِنَّ وَلَا أَبْنَاءِ	سلسلے میں اور اپنے بھتیجوں کے سلسلے
أَخَوَاتِهِنَّ وَلَا نِسَائِهِنَّ وَلَا مَا	میں اور اپنے بھانجوں کے سلسلے میں اور اپنی
مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ وَاتَّقِينَ	(بے تکلف) عورتوں کے سلسلے میں اور نہ

اللّٰہَ ۭ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدًا ○ (احزاب : ۵۵)

ان (غلام باندیوں) کے سلسلے میں جو ان کے ہاتھ کی ملک ہیں۔ اور تم اللہ سے ڈرو۔ بیشک اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔

ان قریبی اعزہ اور انہی جیسے چند دیگر افراد کے علاوہ عورت اپنے دوسرے اعزہ و اقرباء کے سامنے زیب و زینت کے اظہار کے ساتھ بے تکلفی کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ شوہر کے بھائی، بھتیجے، اس کے چچا اور ان کے لڑکے وغیرہ سے بھی دیگر غیر محرم اور اجنبی افراد کی طرح عورت کا پردہ ہے۔ جس کی صورت ظاہر ہے گھر کی الگ یونٹ میں ہی ہو سکتی ہے۔ مختلف دادوں کے بیٹوں اور پوتوں وغیرہ پر پھیلے ہوئے طویل و عریض خاندان میں عورت کی زیب و زینت اجنبیوں کے سامنے ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اور یہ گھر جو پورے خاندان کی مشترکہ ملکیت ہے اس میں کوئی شخص کسی دوسرے پر پابندی اور قدغن بھی نہیں لگا سکتا۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

اس مقام پر ایک شبہ کا ازالہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ مثالی مشترکہ خاندان کا دستور ہے کہ اس میں مردوں کا اندرون خانہ سے تعلق کم سے کم تر ہوتا ہے۔ اس طرز معاشرت میں نمونہ کا مرد وہ ہے جو گھر سے ہی نہیں اپنے بیوی بچوں سے بھی برائے نام واسطہ رکھے۔ اس سے بھی بڑھ کر آئیڈیل وہ ہے جو اپنے بیوی بچوں کے حقوق کو نظر انداز کرے۔ اور گھر اور خاندان کے مفادات میں ان کی طرف توجہ کرنے کا اسے موقعہ ہی نہ ملے۔ اس صورت میں جبکہ مرد کا گھر سے تعلق برائے نام اور اسے کبھی کبھار ہی اس میں داخل ہونا ہو، کہا جا سکتا ہے کہ پھیلے ہوئے خاندان میں بھی پردے کے حدود و آداب کو آسانی سے نباہا جا سکتا ہے۔ اور گھر کی اتفاقیہ آمد میں مرد نامحرموں سے آنکھیں بچا کر کام چلا لے جائے گا۔ لیکن اسلام کے مطلوبہ خاندانی نظام میں یہ چیز قابل عمل نہیں ہو سکتی جس میں مرد کا رات کا پورا اور دن کا کچھ وقت بھی لازماً اپنے گھر میں بیوی بچوں کے ساتھ گزرنا چاہیئے۔ پردے کے احکام کے بیان میں قرآن نے ایک اہم ہدایت یہ دی ہے:۔

یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْکُمُ الَّذِیْنَ مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو چاہیئے کہ تم سے اجازت لے کر اندر آئیں وہ (غلام اور باندیاں)

وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ
مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ
قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ
تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ
الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ
الْعِشَآءِ ؕ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ
لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ
جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ
عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ
كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ
الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝
(نور : ۵۸)

جو تمہارے ہاتھ کی ملک ہیں اور وہ (کمسن)
جو ابھی سمجھ کی عمر کو نہیں پہنچے ہیں، تین
وقتوں میں۔ فجر کی نماز سے پہلے اور جب
تم دوپہر (قیلولہ) میں اپنے کپڑے اتارتے
ہو اور عشاء کی نماز کے بعد یہ تمہارے لیے
تین پردے کے وقت ہیں۔ اس کے بعد
تمہارے اور ان کے اوپر کوئی حرج نہیں
ہے، تمہارا ایک دوسرے پر (بے تکلف
بیٹھکی اجازت کے بغیر) آنا جانا ہو سکتا
ہے، اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی
آیتوں کو کھول کر بیان کرتا ہے۔ اور اللہ
علم والا، حکمت والا ہے۔

اس آیت کریمہ میں گھر میں بے تکلف آمد و رفت رکھنے والے غلاموں اور نابالغ بچوں کو تین اوقات میں اجازت کے بعد گھر میں داخلہ دینے کی تاکید کی گئی ہے۔ عشاء کے بعد، فجر سے پہلے اور دوپہر میں قیلولہ کے وقت۔ جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ رات کے پورے وقت کے علاوہ دن کا ایک حصہ بھی مرد کا گھر کے اندر گزرنا چاہیئے۔ مرد گھر کے بجائے زیادہ تر باہر رہے اور اپنی بیوی سے اس کا تعلق کبھی کبھار ہی قائم ہو، مشترک خاندان کے اس مثالی آئین کو قرآن دوسرے موقعہ پر مسترد قرار دیتا ہے جبکہ وہ بیوی سے خوابگاہ الگ اور اس سے بستر جدا کر لینے کو اس کے حق میں سزا قرار دیتا ہے۔ جس کے بعد اسے 'مارنے' ہی کی آخری سزا باقی رہ جاتی ہے۔ نافرمانی کی صورت میں عورت کی اصلاح کے طریقوں کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا:۔

وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ
فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ
فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ
فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا

اور وہ عورتیں جن سے تم نافرمانی کا اندیشہ
رکھتے ہو تو تم ان کو سمجھاؤ اور انھیں خوابگاہوں
میں (تنہا) چھوڑ دو اور انھیں (ہلکی مار) مارو۔
پس اگر وہ تمہاری بات مان لیں تو ان پر

عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا (نساء: ۳۴) زیادتی کا راستہ نہ تلاش کرو۔

بے تکلف دعوتوں کا سلسلہ

اسلام کا مطلوبہ خاندانی نظام دوستی وتعلق کی آئینہ داری کا نظام ہے۔ جس میں محبت والفت کے اظہار کے دوسرے طریقوں کے علاوہ خاص طور پر خاندان کے قریبی لوگوں میں برابر بے تکلف دعوتوں کا سلسلہ چلتے رہنا چاہیئے۔ اس سلسلے میں قرآن نے خاندان کے قریبی لوگوں کے علاوہ سماج کے کمزوروں اور معذوروں کا خاص طور پر لحاظ رکھا ہے۔ جو خاندان کے افراد ہی کی طرح بے تکلف دوسرے کے گھروں سے کھا سکتے اور ضرورت کے وقت ان کی کنڈی کھٹکھٹا سکتے ہیں۔ جن میں خاندان کے گھروں کے علاوہ کچھ دوسرے گھر بھی ہیں جو اسی حکم میں شامل ہیں۔ ان کی تفصیل بیان کرتے ہوئے قرآن نے کہا ہے:

لیس علی الاعمی حرج ولا	اندھے کے لیے کوئی حرج نہیں ہے، اور
علی الاعرج حرج ولا علی	نہ لنگڑے کے لیے کوئی حرج ہے اور نہ
المریض حرج ولا علی	تمہارے اپنے اوپر کوئی حرج ہے کہ تم
انفسکم ان تاکلوا من	کھاؤ اپنے گھروں سے اور اپنے باپوں کے
بیوتکم او بیوت آبائکم	گھروں سے اور اپنی ماؤں کے گھروں سے
او بیوت امھاتکم او	اور اپنے بھائیوں کے گھروں سے اور اپنی
بیوت اخوانکم او بیوت	چچی اور پھوپھیوں کے گھروں سے اور اپنے
اخواتکم او بیوت اعمامکم	خالوؤں اور ماموؤں کے گھروں سے اور
او بیوت عمّٰتکم او بیوت	اپنی خالاؤں اور ممانیوں کے گھروں سے
اخوالکم او بیوت خٰلٰتکم	جو تمہارے ہاتھ کی ملک ہیں یا اپنے دوستوں
او ما ملکتم مفاتحہ او	کے گھروں سے۔ تمہارے اوپر کوئی حرج
صدیقکم لیس علیکم جناح	نہیں ہے کہ تم سب اکٹھا مل کر کھاؤ یا
ان تاکلوا جمیعا او اشتاتا.....	الگ الگ ہو کر۔

(نور: ۶۱)

اسلام کے مطلوبہ خاندانی نظام کے بیان میں یہ آیت کریمہ خاص توجہ کی مستحق ہے۔

جس میں بہن بہنوئی، چچا چچی، خالہ خالو وغیرہ ہی نہیں باپ، بیٹے، ماں اور بھائیوں کے مکان بھی ایک دوسرے سے الگ قرار دیئے گئے ہیں۔ آیت کریمہ میں ہر جگہ گھروں 'بیوت' کی نسبت متعلقہ افراد کی طرف الگ الگ کی گئی ہے۔ جو اس کا صاف اشارہ ہے کہ ان قریب ترین رشتوں میں ہر ایک کا مکان اور اس کی متعلقہ سہولیات۔ دوسرے سے بالکل الگ ہونی چاہئیں۔

ایک اہم معاشرتی نکتہ

اسی سلسلۂ بیان میں قرآن نے ایک اہم معاشرتی نکتہ سے پردہ اٹھایا ہے۔ اور وہ یہ کہ گھر کے اندر غیر متعلق افراد کی موجودگی باعث اذیت ہوتی ہے۔ حساس آدمی مروتاً اس کا اظہار نہ بھی کرے پھر بھی وہ اس کی وجہ سے ایک الجھن اور نفسیاتی گھٹن محسوس کرتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اخلاق کریمہ کا پیکر تھے۔ قرآن وحدیث کے صفحات اس کی شہادت سے بھرے ہیں۔ اس کے باوجود قرآن نے آپ کی ذات گرامی کے سلسلے میں اس حقیقت کا کھلے لفظوں میں اظہار کیا ہے تو امت کے عام افراد کی نسبت سے اس کا امکان کس قدر زیادہ ہوگا اسے آسانی کے ساتھ محسوس کیا جا سکتا ہے۔ انسانیت کے محسن اعظم اپنی عسرت کی زندگی کے باوجود اپنے لوگوں کی بے تکلف دعوت اور ان کے کھانے کھلانے کا برابر اہتمام رکھتے تھے۔ بہت سے لوگ بے احتیاطی میں کھانا تیار ہونے سے پہلے ہی آپ کے گھر میں آدھمکتے اور ادھر ادھر کی باتوں میں لگے رہتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اخلاق کریمہ سے مجبور ہو کر انھیں کچھ نہ کہہ پاتے۔ سورہ احزاب میں قرآن نے پردے کے احکام سے پہلے لوگوں کی توجہ اسی طرف مبذول کرائی: ۔

یا ایھا الذین اٰمنوا لاتدخلوا	اے لوگو! جو ایمان لائے ہو نبی (صلی اللہ
بیوت النبی الا ان یوذن	علیہ وسلم) کے گھروں میں داخل نہ ہو سوائے
لکم الی طعام غیر ناظرین	اس کے کہ تم کو اجازت مل جائے۔ یہ نہ ہو
اناہ ولکن اذا دعیتم	کہ کھانا تیار ہونے کے انتظار میں پہلے ہی سے
فادخلوا فاذا طعمتم	آدھمکو۔ بلکہ جب تم کو بلایا جائے تب اندر
فانتشروا ولا مستاْنسین	داخل ہو۔ پس جب کھا چکو تو الگ الگ

لحدیث ان ذٰلکم کان یؤذی	راستے سنبھال لو۔ اور باتوں کے لیے جم
النبی فیستحی منکم واللہ لا	کر بیٹھ نہ جاؤ۔ بیشک یہ چیز نبیؐ کو دکھ دینے
یستحی من الحق	والی ہے لیکن وہ تم سے حجاب کرتا ہے۔
(احزاب: ۵۳)	اور اللہ حق سے حجاب نہیں کرتا۔

ظاہر ہے کہ آیت کریمہ میں جن اہلِ ایمان کی موجودگی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اذیت کا باعث بتایا گیا ہے اس میں صرف دور دراز کے ہی لوگ نہ ہوں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان اور قریب کے اعزہ بھی اس میں لازماً شامل ہوں گے جو مشترکہ خاندان کے خاکہ میں ایک گھر کے افراد اور ان کا صبح شام کا اٹھنا بیٹھنا ایک ساتھ ہوتا ہے۔ اس تکلیف اور اذیت سے بچنے کی مستقل صورت یہی ہے کہ گھر الگ اور اس کی یونٹیں چھوٹی سے چھوٹی ہوں۔ آیت کریمہ سے استدلال کرتے ہوئے بعض بزرگوں نے بجا طور پر لکھا ہے کہ:۔

فوردت الآیۃ جامعۃ لآداب	پس یہ آیت بہت سے آداب کی جامع
منہا المنع من اطالۃ المکث	ہے۔ انہی میں سے ہے کہ لوگوں کے
فی بیوت الناس وفی معنی	گھروں میں دیر تک پڑے نہیں رہنا چاہیے
البیت موضع مباح اختارہ	اور گھر ہی کے معنیٰ میں وہ کھلی جگہ ہے
شخص لعبادتہ اواشتغالہ	جسے کسی شخص نے اپنی عبادت یا کسی دوسرے
فیاتیہ احد ویطیل المکث	کام کے لیے منتخب کر لیا ہو تو کوئی شخص آئے
عندہ۔ ؎	اور اس کے پاس دیر تک پڑا رہے۔

مالیت کی علیحدگی کے بعض دیگر اشارات

اس تفصیل سے بخوبی واضح ہے کہ اسلام کے نقشہ میں مشترکہ خاندانی نظام کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اور وہ اس کو ہر طرح سے مسترد قرار دیتا ہے۔ الگ مکان کا مقصد اس کا اصل فائدہ مالیات کی علیحدگی کی صورت میں ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ ازواج مطہرات کے گھروں کے بیان میں اس کی کسی قدر تفصیل گزر چکی ہے۔ اس کے علاوہ قرآن

؎ مفاتیح الغیب: ۶/ ۶۲۴، طبع عامرہ ۱۳۰۸ھ

کے دوسرے اشارات بھی ہیں جن سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اسلام کا مطالبہ گھروں کی علیحدگی کے ساتھ ان کے مالیاتی نظام کی علیحدگی کا بھی ہے۔ یتیموں اور کمزوروں کو اسلام کو جیسا کچھ خیال ہے معلوم ہے۔ ان کے سلسلے میں قرآن نے ایک اہم ہدایت یہ کی ہے کہ:

وآتوا الیتامی اموالھم ولا	اور یتیموں کو ان کا (الگ) مال حوالہ کردو
تتبدلوا الخبیث بالطیب	اور اچھے کا برے سے تبادلہ نہ کرو۔ اور ان
ولا تاکلوا اموالھم الی اموالکم انہ	کے مالوں کو اپنے مالوں میں ملا کر نہ کھاؤ۔
کان حوبا کبیرا ہ (نساء : ۲)	بیشک یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

یتیم ظاہر ہے کہ عام طور پر پوتے پوتی اور بھتیجے بھتیجی وغیرہ ہی ہوتے ہیں جو سرسے باپ کا سایہ اٹھ جانے کی وجہ سے بے سہارا ہو جاتے ہیں۔ اس آیت کریمہ میں ان کے سرپرستوں کو جو ظاہر ہے ان کے دادا اور بڑے باپ وغیرہ ہی ہوں گے یہ تاکید کی گئی ہے کہ وہ ان کے مال کو پورا پورا ان کے حوالہ کردیں۔ اور ان کے اچھے مال کا تبادلہ بری چیز سے نہ کریں۔ اور نہ ان کے مال کو اپنے مالوں میں ملا کر کھا جانے کی کوشش کریں۔ ظاہر ہے یتیم مال کے مالک اسی صورت میں ہوں گے جبکہ ان کا گھر الگ اور ان کے مالی معاملات دوسروں سے بالکل علیحدہ ہوں۔ ورنہ ہمارے یہاں کے مروجہ مشترک خاندانی نظام میں جہاں پھیلے ہوئے گھر میں اس کے ذمہ دار افراد میں سے بھی کسی شخص کی ملکیت اور اس کے حقوق کا کوئی تعین اور تشخص نہیں ہوتا، نا قابل لحاظ نابالغ یتیموں کے الگ مال اور ملکیت کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔

آگے اسی سلسلے میں یتیموں کے سرپرستوں کو مزید ہدایات دیتے ہوئے فرمایا:۔

ولا تؤتوا السفھاء اموالکم	اور نہ سمجھوں کو اپنا مال نہ دو جسے کہ اللہ
التی جعل اللہ لکم قیما	نے تمہارے لیے زندگی کی بقاء کا ذریعہ
وارزقوھم فیھا واکسوھم	ٹھہرایا ہے اور اس میں ان کو کھلاؤ اور ان
وقولوا لھم قولا معروفا ہ	کو پہناؤ اور ان سے بھلی بات کہو اور یتیموں
وابتلوا الیتمی حتی اذا بلغوا	کو آزماتے رہے یہاں تک کہ جب وہ نکاح
النکاح فان آنستم منھم	کی عمر کو پہنچ جائیں تو اگر تم ان کی طرف سے
رشدا فادفعوا الیھم	سمجھداری کو بھانپ لو تو ان کا مال ان کے

اموالہم ولا تاکلوھا	حوالے کردو اور اسے اللے تللے اور جلدی
اسرافا و بدارا ان یکبروا	میں نہ کھاؤ کہ وہ بڑے ہوجائیں (تو اس
ومن کان غنیا فلیستعفف	کا موقعہ نہ رہے) اور جو صاحب حیثیت
ومن کان فقیرا فلیاکل	ہو تو چاہیئے کہ بالکل ہاتھ بچا کر رہے اور
بالمعروف فاذا دفعتم	جو ضرورت مند ہو تو وہ بھلائی کے ساتھ کھائے
الیہم اموالھم فاشھدوا	تو جب تم ان کا مال ان کے حوالے کرو تو ان
علیہم وکفی باللہ حسیبا	پر گواہ ٹھہراؤ اور نگرانی کے لیے اللہ کافی
(النساء: ۵-۶)	ہے۔

ظاہر ہے یتیموں کے سلسلے میں ان ہدایات کی معنویت بھی اسی صورت میں ہے جبکہ ان کا گھر اور ان کے مالی معاملات علیحدہ ہوں۔ مشترک خاندان میں جہاں بڑے بڑوں کے حقوق زیاں کا شکار اور بڑے گھر کے سمندر میں ان کی مالی حیثیتوں کا کچھ پتہ نہ ہو، نابالغ یتیموں کی الگ مالی حیثیت کی بابت سوچا بھی کیا جا سکتا ہے۔

یہ معاملہ اس صورت سے متعلق ہے جبکہ انتظام کی سہولت کے پیش نظر یتیموں کے مالوں کو سرپرستوں نے اپنے مال کے ساتھ ملا لیا ہو۔ دوسرے موقعہ پر قرآن کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی بڑی زحمت اور رکاوٹ نہ ہو تو ان کے معاملات کو الگ رکھنا ہی مناسب ہے۔ اور اگر ملا لینا ضروری ہو تو پوری دیانت داری سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ ان کا مال اللے تللے خرچ کیا جائے نہ ان کی ضروریات کو حد سے بڑھایا جائے اور نہ کسی قسم کی خرد برد سے کام لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے محض زحمت اور تنگی سے بچانے کی خاطر یہ سہولت فراہم کردی ہے۔ اس لیے سخت پرہیز کی ضرورت ہے کہ اس کے سلسلے میں کسی قسم کی بے احتیاطی نہ ہونے پائے:۔

ویسئلونک عن الیتامی قل	وہ تم سے یتیم کی بابت پوچھتے ہیں تو کہہ دو
اصلاح لہم خیر وان	کہ (ان کا حساب الگ رکھ کر) ان کی
تخالطوھم فاخوانکم	بھلائی کا سامان کرنا زیادہ بہتر ہے۔ اور
واللہ یعلم المفسد من	اگر تم انھیں اپنے میں ملا لو تو وہ تمہارے
المصلح ولو شاء اللہ لاعنتکم	بھائی ہیں۔ اور اللہ کو پتہ ہے کہ کون ٹھیک

ان اللہ عزیز حکیم	اور کون گڑبڑی کرنے والا ہے۔ اور اگر اللہ
	چاہتا تو (ملانے کی ممانعت کرکے) تم کو سختی
(بقرہ: ۲۲۰)	میں ڈال دیتا۔ بیشک اللہ زبردست، حکمت
	والا ہے۔

اس کے باوجود جو لوگ یتیموں کی یتیمی کا ناجائز فائدہ اٹھاکر ان کا مال ہڑپ لیں یا ناانصافی کی کوئی اور صورت اپنا کر اسے چٹ کرجانے کی کوشش کریں، ان کے سلسلے میں قرآن نے فرمایا:۔

ان الذین یاکلون اموال الیتٰمی	بے شک وہ لوگ جو یتیموں کا مال بے انصافی
ظلما انما یاکلون فی بطونھم	سے کھاتے ہیں وہ بس اپنے پیٹوں میں
نارا وسیصلون سعیرا ۵	آگ کھاتے ہیں۔ اور وہ جلد ضرور دوزخ
(نساء: ۱۰)	میں داخل ہوں گے۔

جبکہ مشترک خاندانی نظام کا یہ وہ جرم ہے جس کے جرم ہونے کا احساس بھی نہیں۔ اور اس پر عامل معاشرہ زیاں کے ساتھ احساس زیاں سے بھی عاری ہے۔

اسلام نے ملکیت کے ذرائع کی صاف تعیین کردی ہے جو تین ہی ہوسکتی ہیں۔ آدمی کی اپنی کمائی ہو۔ ترکہ میں کوئی چیز ملی ہو یا کسی نے بطور ہدیہ اور تحفہ کے اسے کوئی چیز دی ہو۔ ان کے علاوہ کسی کا کسی مال پر تصرف ناجائز اور 'مال کو باطل طریقے سے کھانے' کے ذیل میں آتا ہے۔ جسے قرآن نے سخت ترین لفظوں میں منع کیا ہے اور اسے 'قتل نفس' کے ساتھ جوڑ کر بیان کیا ہے جس سے اس جرم کی شدت اور اس کے گھناؤنے پن کا اظہار ہوتا ہے جبکہ مشترکہ خاندان میں محض فرسودہ رواج کی پیروی میں کسی تعیین کے بغیر گھر کے مالی معاملات مخلوط انداز میں چلتے رہتے ہیں۔ جس میں کچھ لوگ ہمیشہ چور دروازوں سے مال کے حصول اور مستقل اس کے مواقع اور ترکیبوں کی تلاش میں لگے رہتے ہیں۔ مسلمان معاشرہ کو یہ آیت کریمہ جھنجھوڑ دینے کے لیے کافی ہے۔

یاایھا الذین اٰمنوا لاتاکلوا	اے لوگو جو ایمان لائے ہو آپس میں اپنے
اموالکم بینکم بالباطل الا	مالوں کو باطل طریقہ سے نہ کھاؤ۔ سوائے
ان تکون تجارۃ عن تراض	اس کے کہ تجارت ہو جس میں تمہاری باہمی

منکم ولا تقتلوا انفسکم ان	رضامندی ہو۔ اور تم ایک دوسرے کو
اللہ کان بکم رحیما ہ ومن	جان سے نہ مارو۔ بیشک اللہ تم پر رحم
یفعل ذلک عدوانا وظلما	کرنے والا ہے۔ اور جو کوئی ایسا کرے
فسوف نصلیہ نارا وکان ذلک	سرکشی اور ظلم کی راہ اپنا کر تو جلد ضرور ہم اسے
علی اللہ یسیرا ہ	دوزخ میں ڈالیں گے۔ اور یہ اللہ کے
(نساء: ۲۹-۳۰)	لیے بہت آسان ہے۔

خیال رہے کہ اسلام کے نقشہ میں جوان ہو کر بیٹا بھی باپ سے الگ معاشرہ کا ممتاز اور مستقل حیثیت کا حامل فرد ہو جاتا ہے۔ پھیلے ہوئے خاندان کے مختلف بھائیوں بھتیجوں وغیرہ کو بھی اسی پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ یہ جب عاقل بالغ اور شادی شدہ ہو جائیں تو ان کے گھر در کے ساتھ ان کے مالی معاملات بھی ایک دوسرے سے بالکل الگ اور ممتاز ہو جانے چاہئیں۔ ان کی مخلوط مالیات میں جو بھی بے احتیاطی ہو گی قرآن کے نقطۂ نظر سے وہ 'مال کو حرام طریقے سے کھانے' 'اکل مال بالباطل' کے قبیل میں آئے گی اور مسلمانوں کا کوئی عرف و رواج اسے جائز اور حلال نہ قرار دے سکے گا۔[1]

ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ

مشترکہ خاندانی نظام (JOINT FAMILY SYSTEM) کے بالمقابل اسلام کے مطلوبہ خاندانی نظام کا اوپر جو ہم نے نقشہ کھینچا ہے، خاص طور پر ہندوستان کے پس منظر میں اس سے ایک غلط فہمی پیدا ہونے کا امکان ہے۔ جس کا ازالہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔

---

[1] صدر اول کے مسلمانوں کو اس کا کس قدر لحاظ ہے اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ان کے ہاں رواج تھا کہ کوئی شخص اپنے بیٹے بیٹی یا رشتہ داروں اور دوستوں کے ہاں بے تکلف کھانے کی دعوت پر جاتا تو اپنے ساتھ نابینا، لنگڑے اور بیمار لوگوں کو بھی ساتھ لیا جاتا تھا۔ قرآن کی یہ آیت کریمہ اتری تو وہ اس سلسلے میں احتیاط کرنے لگے اور اس کو تقریباً بند کر دیا۔ سورہ نور کی آیت کریمہ 'لیس علی الاعمی حرج ....' (۶۱) میں ان کی اس غلط فہمی کا ازالہ کرتے ہوئے اس کی باقاعدہ اجازت دی گئی۔ اس آیت کے شان نزول میں مفسرین کرام نے اس کی صراحت کی ہے۔ مفاتیح الغیب ج۳۰ / ۳۴۴

کہا جا سکتا ہے کہ یہ چیز مسلمان معاشرہ کو خود غرضی مفاد پرستی کے کھڈ میں ڈھکیل دے گی معاشرہ کا ہر فرد اپنے آپ میں مگن ہوگا۔ اور کسی کو دوسرے سے کوئی سروکار نہ ہوگا۔ لیکن ظاہر بات ہے کہ جب ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کے اس مطلوبہ طرز معاشرت پر عمل کرکے انسانوں کے سب سے بڑے ہمدرد و بہی خواہ اور رشتے ناطے کے حقوق کا سب میں بڑھ کر لحاظ رکھنے والے تھے، جیسا کہ دنیا جانتی ہے تو آپ کے امتیوں کو بھی اس کی پیروی کرتے ہوئے اس سلسلے میں کوئی رکاوٹ اور دشواری نہ ہونی چاہئے۔ گھر کی علیحدگی کی وجہ صرف معاشرت کی آسانی اور سہولت ہے، اس کا یہ مطلب کیوں کر ہو سکتا ہے کہ آدمی اپنے ماں باپ، بھائی بہن اور اعزہ واقربا کی اعانت وخبر گیری کی ذمہ داریوں سے آزاد ہو جائے۔ اسلام کے نقطۂ نظر سے اپنے ماں باپ اور اعزہ واقرباء کے ساتھ حسن سلوک آدمی کی اخلاقی ہی نہیں قانونی ذمہ داری بھی ہے۔ اور اس حسن سلوک کے اندر جسمانی خدمت اور مالی مدد واعانت دونوں شامل ہے۔ اعزہ واقرباء اور خاص طور پر ان میں رحمی رشتہ داروں، بھائی بہن، خالہ بھانجہ وغیرہ کے ساتھ بہتر سلوک اور ان کی ہر طرح سے نگرانی اور خبر گیری اسلامی تعلیمات کی انتہائی مہتم بالشان دفعہ ہے۔ رحمی رشتوں کا لحاظ نہ رکھنے والوں کو خدا تعالیٰ اپنے سے دور کر دیتا ہے[1] ایسا شخص جنت کے داخلہ سے محروم رہتا ہے[2] یہاں تک کہ اس کی نحوست سے پوری قوم کی قوم رحمت ایزدی سے محرومی کو اپنا مقدر بنا لیتی ہے[3] تو ظاہر ہے دین میں جس چیز کی اس قدر اہمیت ہو اس سے نگاہیں پھیرنے اور نظر انداز کرنے کا کیا سوال پیدا ہو سکتا ہے، خاندان کی تقسیم اور گھر کی چھوٹی یونٹ کا مقصد دین کے ان دوسرے تقاضوں کی تکمیل ہے، جیسا کہ تفصیل گزری، جنہیں بڑے گھر اور پھیلے ہوئے خاندان میں ادا کرنے میں رکاوٹ ہوتی ہے۔ پھر اس کی وجہ سے دین کے کسی دوسرے تقاضے کو مجروح کرنے کی گنجائش کیوں کر

---

[1] بخاری جلد ۲۔ کتاب الادب، باب من وصل وصلہ اللہ۔ مسلم جلد ۲۔ کتاب البر والصلہ، باب صلۃ الرحم وتحریم قطیعتہا۔ نیز مسند احمد: ۱/۱۹۱، ۱۹۴۔ ۶/۶۲

[2] بخاری جلد ۲۔ کتاب الادب، باب اثم القاطع، مسلم جلد ۲۔ کتاب البر والصلہ، باب صلۃ الرحم وتحریم قطیعتہا۔

[3] بیہقی فی شعب الایمان بحوالہ مشکوۃ المصابیح، کتاب الآداب، باب البر والصلہ۔ فصل ثانی۔

نکل سکتی ہے؟۔ یہاں تک کہ شادی کے بعد بیوی کی مرضی اور ہم آہنگی اور سازگاری کی صورت میں آدمی اپنے ماں باپ اور کمسن بھائی بہنوں وغیرہ کو اپنے ساتھ ADJUST بھی کر سکتا ہے۔ اور مشترک خاندان کی خرابیوں سے بچتے ہوئے سکون و اطمینان کی زندگی بسر کی جا سکتی ہے۔

دوسری بات یہ کہ اگر مان بھی لیا جائے کہ ہندوستان کے خاص حالات اور خاص پس منظر میں اسلام کے مطلوبہ خاندانی نظام کو آن واحد میں نافذ نہیں کیا جا سکتا اس لیے شریعت نے نرمی اور تدریج کا جو اصول ہر جگہ ملحوظ رکھا ہے اس کے پیش نظر مشترک خاندانی نظام کی تبدیلی میں بھی اس کا لحاظ رکھا جانا چاہیئے۔ اور خاص حالات میں عبوری طور پر اس کی اجازت ہونی چاہیئے تو کسی درجہ میں یہ چیز بھی قابل غور ہو سکتی ہے۔ لیکن بڑا فرق ہے اس میں کہ ایک چیز کو مجبور کن حالات میں بعض مصالح کے تحت وقتی طور پر قابل انگیز سمجھا جائے اور اس میں کہ اسے سب سے اعلیٰ و ارفع اور سب سے بڑھ کر خیر و برکت کا حامل اور مثالی اور آئیڈیل طرز معاشرت تصور کیا جائے۔؟

اسلام کا تصور مساوات

از۔ سلطان احمد اصلاحی

اردو زبان میں اپنے موضوع پر پہلی مفصل کتاب جس میں 'مساوات' کے رائج الوقت تصور کی کمزوریوں اور خامیوں کی نشاندہی اس کے ماخذ کی روشنی میں کی گئی ہے۔ معاصر دنیا کے جائزہ کے ساتھ اس سلسلے میں اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب کی ناکامی کو واضح کیا گیا ہے۔ اس کے بعد انسانی سماج میں آزادی و مساوات کی آبیاری میں اسلام کے امتیازی کردار کو پوری تفصیل سے پیش کیا گیا ہے۔ اور اس کے اخلاقی، قانونی اور تاریخی تمام پہلوؤں پر علمی اور تحقیقی انداز میں گفتگو کی گئی ہے۔ آخر میں ان ممکنہ اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے جو اسلام کے تصور مساوات پر کیے جاتے ہیں۔ ڈیمائی سائز صفحات ۲۴۴۔ قیمت ۲۰ روپئے

ملنے کا پتہ ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی۔ پان والی کوٹھی۔ دودھ پور علی گڑھ

مرکزی مکتبہ اسلامی ۱۳۵۳ چتلی قبر دہلی ۶